ریاست بہاولپور میں جماعتی سیاست۔ایک تجزیاتی جائزہ

ڈاکٹر غلام سرور خان

تعارف:

زیرنظر مقالہ میں ریاست بہاولپور (۱۷۲۷ء۔۱۹۵۴ء) میں جماعت سازی کے آغاز، ارتقاء اور سیاست میں مختلف جماعتوں کے کردار کو زیر بحث لایا گیا ہے۔اس مقالہ میں ریاست بہاولپور میں جماعتی سیاست کے منفرد انداز اور مختلف ادوار میں ریاستی سیاست میں ان کے کردار کا تجزیہ کیا گیا۔ یہاں جمہوری اداروں کی نشوونما میں ان کے کردار پر بحث کی گئی ہے۔ایک ریاست کے علیحدہ تشخص کھونے کے بعد بہاولپور کچھ عرصہ تک علیحدہ صوبہ کے طور پر قائم رہا تاہم یہاں کی سیاسی جماعتیں اس کو الگ صوبہ کے طور پر بحال کرنے کی کوششوں میں ناکام رہیں۔

جماعتی سیاست کا آغاز:

ہندوستان کی ۶۹۳ ریاستوں[۱] میں ریاست بہاولپور برصغیر کی دوسری اہم مسلم ریاست تھی جو تقریباً ۴۵۵۸۸ مربع کلومیٹر پر محیط تھی اور جہاں ۸۳ فیصد مسلم آبادی تھی[۲]۔ یہاں کے حکمران نواب خاندان عباسیہ کی ایک اہم شاخ داؤد پوترا فریوزئی سے تعلق رکھتے تھے۔اس ریاست کا آغاز ۱۷۲۷ء میں ہوا اور یہ ریاست ۱۹۵۵ء تک قائم رہی۔

ریاست بہاولپور میں مسلمانوں کی سیاسی جدو جہد کے لئے پلیٹ فارم موجود نہیں تھا ریاستی اقتدار اعلیٰ نواب آف بہاولپور کے پاس موجود تھا اور ریاست کی رعایا اس کی مکمل طور پر وفادار تھی۔ ریاستی قوانین کے تحت کسی سیاسی تنظیم سازی کی اجازت نہ تھی۔سرسید کی تحریک علی گڑھ کی طرح بہاولپور میں کسی سیاسی تنظیم کے قیام سے قبل مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے ۱۸۷۹ء میں انجمن مویدالاسلام کا قیام عمل میں آیا جس کا مقصد مسلمانوں کی تعلیمی ترقی

کے ساتھ ساتھ اصلاحِ معاشرہ کا مقصد بھی شامل تھا۔ ۱۹۲۵ء میں جمعیت المسلمین کے نام سے ایک جماعت قائم کی گئی جس کے صدر خان غلام حسین خان تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ جماعت ریاستی ملازمین نے قائم کی۔ اس کے صدر نائب مشیر مال تھے۔ اس جماعت نے یہاں کے مسلم عوام کو ایک قسم کا سیاسی پلیٹ فارم مہیا کیا۔ یہ جماعت بظاہر تو مذہبی اور سماجی اصلاحی تنظیم تھی۔ مگر در پردہ اس کے مقاصد سیاسی تھے۔ کچھ نوجوان جن میں منشی عبدالحمید کا نام قابل ذکر ہے جمعیت المسلمین کی کارکردگی سے مطمئن نہ تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان سیاست میں بھرپور کردار ادا کریں تاہم اس سلسلہ میں ریاستی قوانین اس کی راہ میں حائل تھے۔ اخوان الصفاء کے نام سے ایک اصلاحی تنظیم قائم کی گئی جس کے سر گرم رکن قاضی عظیم الدین تھے۔ ریاست میں ہندوؤں کی مسلمانوں کے خلاف بڑھتی ہوئی شورشوں کا اس تنظیم نے قاضی صاحب اور منشی عبدالحمید کی قیادت میں مؤثر دفاع کیا۔ یہی وہ اصلاحی تنظیمیں تھی جنہوں نے رفتہ رفتہ اپنا رخ سیاست کی وادی خارزار کی طرف موڑنا شروع کیا۔ ریاستی مسلمانوں نے ہندوؤں کے روز افزوں سیاسی اثر کو زائل کرنے کے لئے ایک اور تنظیم انجمن خدام الدین قائم کی۔ جسکا پہلا اجلاس ۲۵ اگست ۱۹۳۲ء کو منعقد ہوا[۳] اس تنظیم نے مسلمانوں کے معاشرتی و مذہبی اصلاح کے ساتھ ساتھ ان کے سیاسی حقوق کے لیے بھی کافی مؤثر کردار ادا کی اس انجمن نے جمعیت المسلمین کے ساتھ ملکر ایسے کئی اشتہارات شائع کیے جس میں ریاست کی بہبود کے لئے میونسپل بورڈ، ڈسٹرکٹ بورڈ اور لجیلیٹو کونسل کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ان دونوں تنظیموں نے ۱۹۳۳ء میں مسلمانانِ بہاولپور کے سیاسی مطالبات کے لئے ملکر جدو جہد کا اعلان کیا اور نواب آف بہاولپور سے شرف باریابی کے لئے استدعا کی گئی۔ ریاستی وزیراعظم نے ایک جوابی خط کے زریعے اس بات کا عندیہ دیا کہ "اس نمائندہ وفد کو اپنی بہاولپور واپسی پر جو ستمبر ۱۹۳۳ کے آخر میں ہوگی شرفِ باریابی بخشیں گے"[۴]۔ امیر آف بہاولپور نے وفد مذکور سے ملاقات نہ کی۔ البتہ فروری ۱۹۳۴ء کو مسلمانوں کا ایک وفد شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد کی سربراہی میں وزیراعظم سے ملا اور ۱۶ نکات پر مشتمل مطالبات

عرضداشت کی شکل میں پیش کئے ان میں مسلمانوں کے مذہبی، تعلیمی و سیاسی حقوق کے تحفظ سے متعلق امور شامل تھے[۵]۔ انجمن خدام الدین جو سیاسی تنظیم کی شکل میں ابھر کے سامنے آ رہی تھی نے ۱۹۳۴ء میں اپنا نام تبدیل کر کے حزب اللہ رکھ دیا۔ حزب اللہ نے تحریک ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس نے دینی حمیت تشخص کو محفوظ رکھنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ دریں اثناء احراری لیڈروں جن میں سید عطا اللہ شاہ بخاری اور مولانا حبیب الرحمٰن کے نام قابل ذکر ہیں کی بہاولپور آمد ورفت شروع ہوگئی۔ مجلس احرار ہندوستان کی سیاست میں کانگریس کی حلیف تھی۔ لہذا وہ چاہتی تھی کہ ہندو اور مسلمان باہمی مخالفت ترک کر کے متحدہ طور پر ریاست کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیں یاد رہے کہ ۱۹۳۵ء میں جب برطانوی حکومت نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت صوبائی خودمختاری اور نظام حکومت میں عوام کو شریک کرنے کا فیصلہ کیا تو ریاست بہاولپور کے عوام میں اپنی سیاسی محرومیوں کا احساس پیدا ہوا۔ بہاولپور کے ہندوؤں نے پہلے پہلے کانگریس اور مہاسبھا کی شہہ پر ریاست کی میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈز میں سرکاری ارکان کی بجائے منتخب نمائندوں کے تقرر کا مطالبہ کیا اور اس کے لئے ایک منظم احتجاج کا راستہ اختیار کیا۔ ریاستی حکومت کی طرف سے بعض ہندو لیڈروں کی گرفتاری پر ہندوستان کے بعض ہندو اخبارات نے ریاستی حکومت کے خلاف مضامین لکھنا شروع کر دیئے۔

دریں اثناء ستلج ویلی پراجیکٹ ۱۹۳۳ء میں مکمل ہوا اس سے جہاں ایک طرف ریاستی معاشی خوشحالی میں اضافہ ہوا وہاں آبادکاروں (جن کو ریاست میں زمین آباد کرنے کے لئے آسان شرائط پر زمین الاٹ کی گئی) اور مقامی ریاستی باشندوں میں کشمکش کا بھی آغاز ہوا[۶]۔ اس معاشی ترقی کے نتیجہ میں یہاں کی مقامی روایات واقدار بھی بدلیں اور ساتھ ہی یہاں کی سیاسی سرگرمیوں میں خاصی تیزی آئی۔ ''نوآبادکاروں سے ایک غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے قدیم ریاستی باشندوں سے گھلنے ملنے کی بجائے خود کو علیحدہ رکھا جس کی وجہ سے معاشرے میں غلط فہمیاں جنم لیتی رہیں۔ ۲۶

ستمبر ۱۹۳۹ء کو انہوں نے انجمن نو آبادکاران ریاست بہاولپور کے نام سے ایک انجمن قائم کی جو آبادکاروں کے حق میں تو شاید مفید ثابت ہوئی لیکن اس سے عصبیت میں اضافہ ہوا''[۷]۔اسی دوران ریاست بہاولپور میں تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کے لئے اور مقامی نوجوانوں میں تعلیمی تحریک پیدا کرنے کے لئے انجمن حمایت اسلام کی طرز پر ایک ''انجمن رفیق الطلباء'' کے نام سے ایک تنظیم ۱۹۳۴ء میں قائم کی گئی۔ بعدازاں نوجوان طلباء نے ''اسٹیٹ سٹوڈنٹ سوسائٹی'' کے نام سے ایک نئی تنظیم قائم کی ان تنظیموں نے بعد میں نئے سیاسی رجحانات کو جنم دیا۔ریاستی نوجوانوں کو ملازمتوں کی فراہمی کے لئے ان تنظیموں کی جانب سے ایک تحریک چلائی گئی۔جس کے نتیجہ میں حکومت کو ۱۹۳۷ء میں ریاستی بورڈ کی تشکیل کرنا پڑی جس نے شہریوں کو حقوق کے لحاظ سے تین درجوں میں تقسیم کیا[۸]۔اس قانون پر انجمن آبادکاران سخت ردعمل کا اظہار کیا اور اپنی جداگانہ نمائندگی کا مطالبہ شروع کردیا۔تاہم واضح طور پر ریاست بہاولپور کے اندر عوامی حقوق اور ذمہ دارانہ نظام حکومت جیسے مطالبات نے سب سے پہلے ۱۹۳۶ء میں جمعیت المسلمین کے پلیٹ فارم سے جنم لیا۔

۱۹۴۲ء میں مجلس احرار نے خانپور میں ریاستی قوانین کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنا ذیلی دفتر قائم کیا اور ۱۹۴۴ء میں بہاولپور میں اپنا دفتر کھولنے کا فیصلہ کیا گیا۔مجلس احرار کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے ساتھ ہی بہاولپور میں مسلم لیگی افکار و خیالات کی ترویج کا دور بھی شروع ہو گیا تھا ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد مسلم لیگ پورے ملک میں کافی مقبول ہو رہی تھی۔مسلمان جو اس سے پہلے سیاست کے صحرا میں ایک بھٹکتے ہوئے کارواں کی حیثیت رکھتے تھے انہیں اپنی منزل مقصود کا نشان مل گیا۔جوش و جذبہ کے یہ اثرات بہاولپور بھی پہنچے اور یہاں ایک حلقہ ایسا پیدا ہو گیا جو مسلم لیگ مسلمان کی نجات دہندہ جماعت سمجھتا تھا۔ریاست میں نوجوان طبقہ کافی سرگرم تھا ان میں میر زاہد حسین کا نام سرفہرست ہے۔بہاولپور میں اس نے تحریک پاکستان کی آبیاری کے لئے جو کام کیا وہ تاریخ میں سنہری باب کی حیثیت رکھتا ہے جمعیت المسلمین بھی تحریک پاکستان مسلم لیگ کے شانہ بشانہ رہی۔ریاستی مسلمانوں کے سیاسی

حقوق کے تحفظ اور انہیں جدو جہد آزادی میں اپنے ساتھ شامل کرنے کے لئے نواب بہادر یار جنگ (۱۹۰۵۔۱۹۴۴) نے قائداعظم کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تو ۱۹۴۰ء میں اسٹیٹس مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔جس کے پہلے صدر نواب بہادر یار جنگ مقرر ہوئے۔یوں ۱۹۴۲ء میں آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ کی ذیلی شاخ بہاولپور میں کھولی گئی اور اس کی مجلس عاملہ میں بہاولپور سے انوارالرب گلزار کریمی کو نامزد کیا گیا[9]۔بعد ازاں ۸ نومبر ۱۹۴۶ء کو جمعیت المسلمین کا الحاق آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ کے ساتھ کر دیا گیا۔بہاولپور میں مسلم بورڈ کے نام سے مسلم لیگ کے ہمنوا ایک اور تنظیم بھی معرض وجود میں آئی ان دونوں تنظیموں نے کانگریسی نیشنلسٹ مسلمانوں کے سیاسی اثر کو زائل کرنے اور مسلم لیگ کی عوام میں مقبولیت کے لئے مؤثر کردار ادا کیا۔مسلم بورڈ کے بنیادی ارکان میں میرزاہد حسین، سلیم اسلم پیرزادہ اور حیات ترین قابل ذکر ہیں۔میرزاہد حسین کو یہ اعزاز حاصل ہے انہوں نے سب سے پہلے مسلم بورڈ کے دفتر پر مسلم لیگ کا پرچم لہرایا۔مسلم بورڈ اگر چہ اپنی تمام تر مساعی کے باوجود اسٹیٹس مسلم لیگ سے الحاق کرنے میں ناکام رہا تاہم تحریک پاکستان کے دوران یہ مسلم لیگ کے شانہ بشانہ رہا۔کابینہ مشن پلان کے منصوبہ کے مطابق ہندوستان کی مجلس دستور ساز نے ہندوستان کی ریاستوں کے ۹۳ نشستیں رکھی گئی تھیں اور جن میں مسلمانوں کی کوئی تخصیص نہ تھی[10]۔اس کے خلاف آواز اٹھانے کے لئے ریاستی مسلم لیگ نے مسلم بورڈ کے ساتھ مل کر احتجاج کیا۔بعد ازاں ریاست بہاولپور کے پاکستان سے الحاق کے مسئلہ پر یکساں موقف اور بھرپور اتحاد کا مظاہرہ کرنے کے لئے جمیعت المسلمین اور مسلم بورڈ آپس میں متحد ہو گئے جنہوں نے مسلم لیگ کے ساتھ مل کر ریاست کے پاکستان سے الحاق اور اس کی مخالف قوتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

الحاق پاکستان اور جماعتی سیاست:

۳ جون ۱۹۴۷ء قانون آزادی ہند کے مطابق ریاستی الحاق کا اختیار ریاستی عوام کی منشاء اور جغرافیائی

حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ریاستی حکمرانوں کو دیا گیا۔۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جونہی قیام پاکستان کا اعلان ہوا تو ریاست میں مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ مسلم بورڈ نے جگہ جگہ جلسوں اور جلوسوں کا اہتمام کیا اور فورٹ عباس سے صادق آباد تک سرکاری عمارات پر پاکستانی پرچم لہرائے۔جمعۃ الوادع کی نماز کے بعد مختلف مقامات پر شکرانے کے نوافل ادا کیئے گئے۔مسلم بورڈ بہاولنگر نے قرارداد منظور کی کہ ریاست بہاولپور کا الحاق جلد از جلد پاکستان سے کیا جائے۔صادق آباد میں میر زاہد حسین ناظم مسلم بورڈ نے جشن پاکستان پر ولولہ انگیز تقریر کی اور حصول پاکستان کے سلسلہ میں قائد اعظم محمد علی جناح کی خدمات کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔اور امیر بہاولپور سے یہ مطالبہ کیا کہ ریاست بہاولپور کا الحاق فوری طور پر پاکستان سے کیا جائے۔''مجمع نے کھڑے ہو کر میر زاہد حسین کے مطالبہ کی تائید کی اور یہ اعلان کیا کہ وہ اس سلسلہ میں ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہیں۔انہوں نے کہا کہ جو لوگ ریاست کو انڈین یونین میں شامل کروانے کے خواب دیکھ رہے ہیں،ہم ان کی کوششوں کو خاک میں ملا دیں گے''۔انہوں نے مزید کہا کہ''اگر ریاست کا الحاق پاکستان سے نہ کرایا گیا تو بہاولپور کی عوام بغاوت کر دیں گے''[۱۱]۔انجمن خدام وطن ایسی تنظیم تھی جو ریاست کے پاکستان کے ساتھ الحاق کی مخالف تھی۔اس کے صدر میاں فیض محمد چوڑی گر کی طرف سے اچھوتا بیان سامنے آیا کہ''ضروری نہیں کہ جذبات کی رو میں بہہ کر اندھا دھند کسی ڈومینین کے ساتھ وابستگی کا اعلان کر دیا جائے۔حکام ریاست کو دیکھنا چاہیے کہ ہماری آئندہ خوشحالی کس کے ساتھ وابستہ ہے کیا ہمیں بھاگڑا ڈیم سے پانی ملے گا؟ کیا ہمارے موجودہ نہری پانی میں اضافہ کیا جائے گا؟ ریلوں اور ڈاکخانے کی آمدنی میں سے ہمیں کتنا حصہ ملے گا؟ کیا ہمیں اشیاء مثلاً کپڑا،کھانڈ وغیرہ مہیا کرنے میں ضروری سہولتیں دی جائیں گی؟ جو ہمارے یہ مطالبات تسلیم کرے اس کے ساتھ الحاق کرنا چاہئے۔خواہ وہ پاکستان ہو یا ہندوستان''[۱۲]۔اسکے ترجمان اخبارات خاص طور پر کائنات کے رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے کے لئے اپنا مشن جاری رکھے ہوئے تھے۔

ریاست کی عمومی فضاء پاکستان کے ساتھ الحاق کے حق میں تھی مگر ریاستی حکومت کی جانب سے تاخیر اور واضح مؤقف سامنے نہ آنے کی وجہ سے مسلم لیگی حلقوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ جمعیت المسلمین اور مسلم بورڈ کے مشترکہ وفود نے اس سلسلہ میں نواب مشتاق احمد گورمانی وزیراعظم بہاولپور سے ملاقات کی اور اپنا مؤقف پیش کیا مگر نہ تو وزیراعظم نے اور نہ ہی امیر بہاولپور کی طرف سے کوئی واضح اعلان سامنے آیا۔ کچھ لوگ گورمانی صاحب پر شک کر رہے تھے۔ ''بعض لوگوں کے خیال میں یہ پراسرار خاموشی اس امر کی غماز تھی کہ اعلیحضرت ریاست کی خودمختاری و آزادی کا اعلان کرنے والے ہیں۔ ان دنوں ہندوستانی ریاستوں کی ایک علیحدہ ڈومینین پرنسز فیڈریشن کے نام سے قائم کرنے کی تجویز پیش کی جا رہی تھی۔ اس لئے ریاست کے مستقبل کو اس تجویز سے بھی منسلک کیا جا رہا تھا''[۱۴]۔ اس سلسلہ میں لندن میں والیان ریاست اور ان کے بعض مشیران کا اجلاس بھی منعقد ہوا تھا تاہم ۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو امیر بہاولپور نے پاکستان سے ریاست بہاولپور کے الحاق کا اعلان کیا اور الحاق کے اس معاہدہ پر امیر بہاولپور نے ۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو دستخط کیے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے بحیثیت گورنر جنرل پاکستان ۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو دستخط کر کے اس کی منظوری دی۔ اس معاہدے کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس میں اس بات کی ضمانت دی گئی تھی کہ ریاست پر امیر بہاولپور کے حقوق و اختیارات حکمرانی جاری و ساری رہیں گے۔

ریاستی آئینی اصلاحات و جماعتی سیاست:

برطانوی ہند میں ذمہ دار طرز حکومت شروع کرنے کے باوجود ریاستوں میں عوامی رجحانات کو نظرانداز کرتے ہوئے آئینی اصلاحات نافذ نہ کی گئیں۔ تقسیم ہند اور مملکت پاکستان کے قیام کے بعد صورتحال یکسر بدل گئی اور ذمہ دار طرز حکومت کے مطالبہ کو مسلم لیگ کی حمایت بھی حاصل ہوگئی۔ پاکستان سے الحاق کے بعد بہاولپور میں عوامی تحریکات نے زور پکڑا۔ ریاست بہاولپور میں آئینی اصلاحات کے لئے تحریک میں ایک طرف نیشنلسٹ مسلمان خدام

وطن کے پلیٹ فارم سے تو دوسری طرف جمعیت المسلمین اور مسلم بورڈ سرگرم تھے۔جمعیت المسلمین اور مسلم بورڈ دونوں جماعتیں مسلم لیگ کی ہم خیال تھیں اور پاکستان سے بہاولپور کے الحاق کی تحریک کے دنوں میں ان میں باہم اتحادِ عمل ہو گیا تھا۔اس لئے اب یہ ایک مشترکہ بورڈ کی صورت میں ذمہ دار نظام حکومت کے حصول کے لئے کوشاں تھیں۔ان کے علاوہ سرکاری ملازمین کا ایک گروپ جس کے سرخیل سید غلام مرتضیٰ شاہ جج ہائیکورٹ تھے اور جنہیں خدام وطن کے کارکنوں کی حمایت حاصل تھی۔سیاست میں سرگرم تھے انہوں نے آئینی اصلاحات کے لئے دباؤ ڈالنے کی خاطر ۲۴ مارچ ۱۹۴۸ کو ریاست کے ۱۴ چھوٹے بڑے افسروں کے ساتھ مل کر ملازمت سے استعفے دیدیئے۔امیر بہاولپور نے شاہ صاحب وزیر تعلیم کے عہدے پر تعینات کر دیا تو مسلم لیگ میں اسکا شدید ردعمل ہوا۔تاہم مسلم لیگ اور مشترکہ بورڈ کے اراکین نے ذمہ دارانہ نظام حکومت کی تحریک چلاتے رہے۔بالآخر ۷ نومبر ۱۹۴۸ء کو امیر آف بہاولپور کی جانب سے آئینی اصلاحات کا اعلان ہوا جو توقعات سے کمتر تھیں۔اس میں صرف میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کے اختیارات میں اضافہ کیا گیا اور ان کے عہدیداروں کو حق بالغ رائے دہی کی بنیاد پر عوام نے منتخب کرنا تھا[۱۴]۔اس اعلان کے بعد بہاولپور کے سیاسی حلقوں میں خاصہ گہما گہمی پیدا ہوگئی۔ریاستی لیگ اور آل بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ نے علیحدہ علیحدہ اپنے اجلاس طلب کر کے اس پر غور کیا۔ریاستی لیگ کے نزدیک یہ اصلاحات قطعی ناکافی اور غیر تسلی بخش تھیں۔لہذا اس نے انہیں مسترد کر دیا۔سید غلام مرتضیٰ شاہ جنہوں نے نواب صاحب کی وزارت کی پیشکش کچھ عرصہ قبل قبول کی تھی،وزارت سے احتجاج مستعفی ہو گئے۔انہوں نے اصلاحات کو ناکافی قرار دیکر مسترد کر دیا۔آل پاکستان اسٹیٹس مسلم لیگ نے بھی اسکو غیر مفید قرار دیا اور مطالبہ کیا کہ امیر بہاولپور اقتدار فی الفور عوام کو سونپ دیں اور ریاست میں ایک مجلس آئین ساز قائم کریں۔بالآخر ۲۲ جنوری ۱۹۴۹ء کو کرنل ڈرنگ وزیراعظم نے پریس کانفرنس طلب کر کے یہ اعلان کیا۔"اعلیحضرت امیر بہاولپور نے یہ منظور فرمالیا کہ وہ آئندہ بہاولپور میں محض آئینی حکمران کی حیثیت سے رہیں

گے اور آپکی پچیس سالہ سلور جوبلی جو مارچ ۱۹۴۹ء کو منعقد ہو رہی ہے اس پر وسیع پیانہ پر مزید اصلاحات کا اعلان کیا جائیگا[۱۵]۔

ریاست بہاولپور میں آئینی اصلاحات کے نفاذ کے اعلان کے ساتھ ہی سیاسی جماعتوں میں صف بندی کا عمل شروع ہو گیا۔ جمعیت المسلمین اور مسلم بورڈ نے جن کا تحریک الحاق کے دنوں میں باہم اتحادِ عمل ہو چکا تھا اب مشترکہ طور پر آل بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ کے نام سے ایک جماعت قائم کر لی تھی۔ اس کے صدر نور محمد تنکانی اور بنیادی اراکین میں پیرزادہ سلیم اسلم، منشی عبدالحمید، عبدالحمید صحرائی، حیات ترین، اور میرزاہد حسین شامل تھے[۱۶]۔ قیام پاکستان سے قبل جن پابندیوں نے انہیں بہاولپور میں مسلم لیگ قائم کرنے سے باز رکھا تھا وہ اب ان کی راہ مین حائل نہ تھیں۔ انہوں نے آل پاکستان مسلم لیگ یا آل پاکستان اسٹیٹس مسلم لیگ سے منظوری لینی بھی ضروری نہیں سمجھی اور آل بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ خود قائم کر دی۔ وہ سمجھتے تھے کہ جب ضرورت محسوس ہوگی اپنی لیگ کا متذکرہ لیگوں میں سے کسی کے ساتھ الحاق بھی کر لیں گے۔ لیکن ادھر یہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے اور اُدھر خدام وطن کے نیشنلسٹ گروپ نے بہاولپور میں مسلم لیگ کی متنظم کا پروگرام بنایا۔ نیشلسٹ گروپ کے علامہ ارشد نے مولانا عبدالحمید سالک سابق ایڈیٹر انقلاب لاہور کے توسط سے منتظر عالم صدر آل پاکستان اسٹیٹس مسلم لیگ سے رابطہ کر کے بہاولپور میں ریاستی لیگ کی تنظیم کی اجازت لے لی[۱۷]۔ بہاولپور میں پرانے مسلم لیگیوں کے لئے یہ خبر حیران کن تھی کہ جو لوگ کل تک مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے مخالف تھے آج پلک جھپکتے کس طرح مسلم لیگ کے کرتا دھرتا بن بیٹھے۔ بہر حال انہوں نے پاکستان اسٹیٹس مسلم لیگ کے اس فیصلے کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ ان کا موقف تھا کہ مسلم بورڈ اور جمعیت المسلمین کے ادغام کے بعد اب انہوں نے آل بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ قائم کی ہے اور مسلم لیگی نظریات کی حامی ہے اور یہ کہ قیام پاکستان سے پہلے جمعیت کا ریاستی لیگ سے الحاق بھی تھا۔ اس لئے بہاولپور میں مسلم لیگ کی تنظیم کا حق صرف انہیں ہونا چاہئے۔

منتظر عالم نے ان دونوں گروپوں کو متحد کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے کیونکہ پرانے مسلم لیگی جن میں نور محمد بھٹکانی اور ان کے ساتھی شامل تھے نئے لوگوں کے ساتھ اتحاد کے لئے تیار نہ تھے۔جسکی انکو بھاری قیمت ادا کرنا پڑی۔اس طرح مسلم لیگ دو حصوں میں بٹ گئی ایک ریاستی مسلم لیگ اور دوسری آل بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ۔ان دونوں جماعتوں میں سیاسی محاذ آرائی جاری رہی۔

مخدوم زادہ سید حسن محمود اپنے والد مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ کے ہمراہ میر زاہد حسین کے والد میر عابد حسین کے توسط سے آل بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ان کی شمولیت نے اس لیگی گروپ میں جان ڈال دی۔انہوں نے سب سے پہلے بہاولپور سے نکل کر پاکستان کے زعماء کو یہاں کی سیاسی صورتحال سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔ان میں چوہدری خلیق الزمان، علامہ شبیر احمد عثمانی اور متعدد دوسرے لیگی اعماء شامل ہیں۔اس موقع پر پہلی بار قومی سطح پر بہاولپور کے کانگریسی گروپ کے عزائم کو بے نقاب کرنے کے لئے کراچی میں ایک پریس کانفرنس کا اہتمام کیا گیا جس سے مخدوم زادہ حسن محمود نے خطاب کیا۔بعد ازاں آل بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ کے کنونشن میں منظور کیجانیوالی قرارداد کی روشنی میں ایک وفد ۲۰ فروری ۱۹۴۰ء کو پاکستان مسلم لیگ کے کراچی میں ہونیوالے اجلاس میں شریک ہوا۔اس موقع پر پاکستان مسلم لیگ کی باقاعدہ شاخ بہاولپور میں قائم کرنے کے لئے مسلم لیگ کے آئین میں ترمیم کے لئے تحریک پیش کی گئی۔مسلم لیگی زعماء جن میں چوہدری خلیق الزماں اور سردار اورنگ زیب شامل تھے اس تجویز سے اتفاق کیا۔حسب وعدہ برادر اورنگ زیب نے مسلم لیگ کے آئین میں تبدیلی کے لئے قرارداد پیش کیا جسکی لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان نے تائید کی۔اس کے بعد مسلم لیگ کے آئین کی دفعہ ۶۵ میں متفقہ طور پر یہ ترمیم منظور کر لی گئی۔''کہ آئندہ پاکستان میں شامل ہونیوالی تمام ریاستوں کے باشندے بھی براہ راست پاکستان مسلم لیگ کے ممبر بن سکتے ہیں''[۱۸]۔اس فیصلے کے بعد پاکستان مسلم لیگ نے بہاولپور میں مسلم لیگ کی تنظیم کیلئے ایک کمیٹی نواب

افتخار حسین ممدوٹ کی سربراہی میں تشکیل دی۔ جس کے ارکان میں مخدوم زادہ حسن محمود، شیخ عبدالحمید صحرائی، میاں فرید خان لالیکا، اور سید احمد نواز گردیزی شامل تھے۔ تاہم ریاستی لیگ نے پاکستان مسلم لیگ کے فیصلے کے خلاف نہ صرف اپنی تنظیم جاری رکھی بلکہ اسکے انتخابات بھی کرائے۔

۱۹۴۹ء کو مسٹر منتظر عالم نے آل پاکستان اسٹیٹس مسلم لیگ توڑ دی تھی۔ اس لئے اب اسٹیٹ مسلم لیگ کی یہ کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس کے سرکردہ اراکین پاکستان مسلم لیگ بہاولپور کے رکن بن جائے۔ ۲۱ ستمبر ۱۹۴۹ء کو تنظیمی کمیٹی مسلم لیگ بہاولپور کا ایک اجلاس خان افتخار حسین ممدوٹ کی زیر صدارت عباس منزل بہاولپور میں ہوا۔ تو اس میں مسلم لیگی اراکین نے پیش بندی کے طور پر ایک قرارداد پیش کی کہ ایسے کسی شخص کو آئندہ مسلم لیگ کی رکنیت نہ دی جائے جو قیام پاکستان سے قبل یا مابعد پاکستان یا مسلم لیگ کے مفاد کے خلاف کام کرتے رہے ہوں۔ لیکن جب مختلف تنظیمی کمیٹیوں کی فہرست سامنے آئی تو پرانے مسلم لیگیوں کو سخت مایوسی ہوئی ان میں متعدد ایسے لوگوں کو شامل کر لیا گیا تھا جو مذکورہ بالا قرارداد کی زد میں آتے تھے۔ اس پر بہت سارے پرانے مسلم لیگی اراکین جن میں غلام مرتضیٰ شاہ اور میر زاہد حسین بھی شامل تھے احتجاجاً مسلم لیگ سے مستعفی ہو گئے[۱۹]۔ دراصل پاکستان مسلم لیگ پر ذاتی اقتدار کے خواہاں مفاد پرست عناصر کا غلبہ تھا۔ اب یہ جماعت قیام پاکستان کے وقت عوامی خواہشات کی ترجمان جماعت کی بجائے اعلیٰ طبقہ کی غالب جماعت بن کر رہ گئی تھی جسکے اثرات قدرتی طور پر ریاست بہاولپور میں اسکی تنظیم سازی پر بھی مرتب ہوئے۔

حسب وعدہ ۸ مارچ ۱۹۴۹ء کو امیر بہاولپور کی جانب سے آئینی اصلاحات کا اعلان کیا گیا جسمیں ممبران میونسپل کمیٹی ڈسٹرکٹ بورڈ کی تعداد میں اضافہ کیا گیا اس کے ساتھ یہ ارکان مجلس کے ۱۶ نمائندے منتخب کریگا۔ وزراء کی ایگزیکٹو کونسل میں سے دو وزیروں کا انتخاب یہ مجلس کریگی جنہیں وزارت تعلیم اور لوکل سیلف گورنمنٹ کے محکمے تفویض

کئے جائیں گے۔ پانچ دیگر وزراء امیر آف بہاولپور کی جانب سے نامزد ہوں گے۔ یہ اصلاحات اگرچہ عوامی توقعات پر پوری نہیں اتریں تاہم اس پر ملا جلا ردعمل سامنے آیا۔ اصلاحات کے بعد انتخابی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ پاکستان مسلم لیگ بہاولپور نے اصلاحات بخوشی قبول کرلیں۔ مئی ۱۹۴۹ء میں بلدیاتی انتخابات عمل میں آئے تھے جسکے لئے مسلم لیگ نے اپنے امیدوار نامزد کئے تو ریاستی لیگ کی طرف سے بھی اپنے نمائندے نامزد کئے گئے۔ سید غلام مرتضیٰ شاہ کا نام قابل ذکر ہے جنہوں نے ریاستی لیگ کی صدارت سے مستعفی ہوکر آزاد حیثیت سے انتخاب لڑا۔ ان انتخابات میں پاکستان مسلم لیگ نے میدان مارلیا اور بلدیاتی اداروں کی کل ۱۲۳ نشستوں میں سے ۹۰ جیت لیں۔ بلدیہ بہاولپور کے انتخابات میں سید غلام مرتضیٰ شاہ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ کامیاب ہو گئے تھے۔ بلدیہ بہاولپور کے صدر اور نائب صدر کے لئے بھی پاکستان مسلم لیگ کے امیدوار کامیاب ہوئے۔ ریاستی مجلس کے لئے بھی اکثریت پاکستان مسلم لیگ کی رہی۔ مخدوم زادہ حسن محمود مجلس میں مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر منتخب ہوئے ۴ جون ۱۹۴۹ء کو امیر آف بہاولپور نے مجلس کے منتخب ممبران میں سے دو کو کابینہ میں شامل کرنے کی منظوری دیدی۔ ان میں سے ایک مخدوم زادہ حسن محمود اور دوسرے فتح محمد لالیکا تھے[۲۰]۔

پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں ریاستوں کو نمائندگی دینے کے لئے خان لیاقت علی خان کی تحریک پر ایک بل منظور کیا گیا جسمیں ریاست بہاولپور کو دستوریہ میں ایک نمائندہ نامزد کرنے کا اختیار دیا گیا۔ بہاولپور سے ریٹائرڈ چیف جج مولوی فضل حسین کے نام کی سفارش کی گئی۔ مسلم لیگی حلقے اس نامزدگی کے خلاف تھے۔ علاوہ ازیں ان کا مطالبہ تھا کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں آبادی کی بنیاد پر نمائندگی دی جائے کیونکہ دستوریہ ہر دس لاکھ ہر ایک نمائندے کا حق تسلیم کرچکی ہے۔ بہاولپور کی آبادی اس وقت بیس لاکھ ہے اس لئے اسے دو نمائندے منتخب کرنے کا حق دیا جائے۔ ۱۴ دسمبر ۱۹۴۹ء کو خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل پاکستان بہاولپور کے دورے پر آئے تو مسلم لیگی وفد نے ان

سے مل کر اپنے تحفظات سے آگاہ کیا۔گورنر جنرل پاکستان نے مسلم لیگی وفد کے مطالبات پر ہمدردانہ غور کا وعدہ کیا تھا مگر عملاً سابقہ فیصلہ برقرار رہا۔دریں اثناء مجلس کے کچھ ممبران نے مخدوم زادہ حسین محمود کے خلاف تحریک عدم اعتماد لانے کا فیصلہ کیا۔وہ ان کی بجائے مخدوم روشن چراغ پارٹی لیڈر بنانا چاہتے تھے۔سید غلام مرتضیٰ شاہ اور کچھ سرکاری افسران اس قرارداد کی حمایت میں پر جوش تھے۔کرنل ڈرنگ وزیراعظم بہاولپور نے مداخلت کر کے مخدوم زادہ کی قیادت کو بچالیا اور قرارداد واپس لے لی گئی۔فی الواقعہ کرنل ڈرنگ کا ہر فعل حکومت پاکستان کی مصلحت وخواہش کے تابع تھا۔''حکومت یہ سمجھتی تھی کہ اگر بہاولپور میں مسلم لیگ کی نوزائیدہ قیادت کو دھچکا لگا تو وہ غیر ملکی عنصر جسکا ریاست میں پہلے ہی کافی اثر ہے یہاں کی سیاست پر غالب آجائیگا جو پاکستان کی سالمیت کے تقاضوں کے خلاف ہوگا''۔تحریک کی ناکامی کے بعد مخدوم زادہ حسن محمود نے مسلم لیگ پر اپنی گرفت مضبوط کرنا شروع کر دی۔اب افتخار حسین ممدوٹ کی جگہ مخدوم زادہ حسن محمود کو پاکستان مسلم لیگ کا کنوینر مقرر کر دیا گیا۔بہاولپور میں مسلم لیگ کی تنظیم سازی میں مخدوم زادہ نے پرانے مسلم لیگیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کانگریس نواز عنصر کو مسلم لیگ میں شامل کیا جس میں چوہدری رحمت اللہ، احمد علی رفعت اور علامہ ارشد کے نام قابل ذکر ہیں۔جب مسلم لیگ کے انتخابات ہوئے تو مخدوم غلام میراں شاہ کو ضلعی صدر منتخب کر لیا گیا۔مخدوم زادہ حسن محمود اگرچہ مسلم لیگ میں نو وارد کی حیثیت رکھتے تھے مگر انہوں نے کمال ہوشیاری سے مسلم لیگ کو دیہات کی سطح پر بھی منظم کیا۔زمینداروں کی بھاری تعداد اس میں شریک ہوئی۔چنانچہ ''جب مسلم لیگ کی تنظیم عمل مکمل ہوئی تو اس کے ممبران کی تعداد ۵ لاکھ تھی اور دو ہزار پرائمری لیگوں اور ۲۳ بلدیاتی اور ضلعی سطح کی لیگوں کا قیام عمل میں آ چکا تھا۔اس کے علاوہ متعدد جماعتیں جو ریاستی آبادی کے مختلف حصوں کی نمائندگی کرتی تھیں جیسے انجمن آبادکاران اور انجمن مہاجرین وہ سب مسلم لیگ میں جذب و مدغم ہو گئیں۔اور لیگ کے انتخاب کے بعد ان سب جماعتوں نے اپنی انفرادی اور جداگانہ حیثیت کو ختم کر دیا لیگ کنونشن کے بعد محض بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ ایسی

جماعت رہ گئی تھی جس نے اپنے وجود کو ختم نہیں کیا تھا۔لیکن لیگ کے جدید انتخابات کے وقت وہ بھی مسلم لیگ میں آملی اور اس طرح بہاولپور میں مسلم لیگ کی ایک زبردست تنظیم قائم ہوگئی جسکے صدر مخدوم زادہ حسن محمود کے والد محترم مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ اور کرتا دھرتا خود مخدوم زادہ حسن محمود تھے"[۲۱]۔

مسلم لیگ کی مساعی کامل ذمہ دارانہ طرز حکومت کے لئے جاری رہیں۔ بالآخر امیر آف بہاولپور نے ۴ جنوری ۱۹۵۱ء کو نئی اصلاحات کا اعلان کر دیا۔ اسکے تحت مجلس میں منتخب شدہ ممبران کی تعداد میں پانچ ممبران کا اضافہ کر دیا گیا تھا اور اس کے علاوہ اسکے اختیارات میں بھی توسیع کی گئی۔ حکومتی اعلان میں کیا گیا "اعلیحضرت کی منشائے مبارک ہے کہ براہ راست طریق انتخاب جو ہر بالغ کی حق رائے دہندگی پر مبنی ہو جلد از جلد رائج کی جائے اور یہ عبوری حکومت فہرست ہائے رائے دہندگان اور حلقہ ہائے انتخابات کو آئندہ مردم شماری کی تکمیل کے بعد مرتب کرنے کا انتظام کرے گی[۲۲]۔ ان اصلاحات پر غور کرنے کے لئے بہاولپور مسلم لیگ کی مجلس عامہ کا اجلاس ۸ جنوری ۱۹۵۱ء کو زیر صدارات مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ منعقد ہوا جس میں نئی اصلاحات کو قبول کر لیا گیا۔ اور توقع ظاہر کی گئی کہ نئے انتخابات مکمل ہونے کے ساتھ ہی ذمہ دارانہ نظام حکومت کو عملی جامعہ پہنایا جائیگا۔ جب مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ہوا تو اگرچہ کچھ اراکین نے جس میں غلام مرتضیٰ شاہ، علامہ ارشد اور مستری عبدالرحمٰن قابل ذکر ہیں ان اصلاحات پر نکتہ چینی کی مگر بالآخر مجلس عامہ کے فیصلہ کی توثیق کر دی گئی۔ یوں مسلم لیگ کی کامیاب حکمت عملی سے امیر آف بہاولپور کیساتھ مصالحانہ پالیسی پر عمل کر کے بہاولپور کی سیاسی بساط پر مسلم لیگ کا بتدریج جمہوری سفر کا آغاز ہوا۔ بہاولپور مجلس میں ۵ اضافی نشستوں کے لئے انتخاب ہوا۔ تو مسلم لیگ کے تمام نامزد امیدوار بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔ بہاولپور مجلس کی تشکیل اور نئے وزراء کے تقرر کے بعد چوہدری فرزند علی سپیکر منتخب ہوئے۔ اگرچہ مسلم لیگ کے اندر آبادکاروں اور مہاجرین کی شکایات موجود رہیں جسکی وجہ سے انہوں نے مسلم لیگ کے اندر ایک فارورڈ بلاک بھی بنایا مگر مخدوم زادہ حسن محمود نے

انکی طرف جھکنے کی بجائے ان کو پارٹی رکنیت سے خارج کر دیا۔ان میں چوہدری رحمت اللہ اور منشی ولی محمد کے نام قابل ذکر ہیں [۲۳]۔

بہاولپور علیحدہ صوبہ سے ادغام تک:

دریں اثناء ۲۹ اپریل ۱۹۵۱ء کو امیر بہاولپور گورنر جنرل پاکستان کے درمیان ایک نیا معاہدہ ہوا۔جس میں ریاست بہاولپور کر صوبائی درجہ دے دیا گیا تھا۔مسلم لیگ نے اس معاہدہ کا خیر مقدم کیا۔اس معاہدہ کی سیاسی اقتصادی آئینی اور قانونی اعتبار سے بڑی اہمیت ہے۔اسکی رو سے حکومت بہاولپور کو ایک کروڑ روپے سالانہ دفاع پر خرچ ہونیوالی رقم کی بچت ہوگئی اور ریاستی عوام کے حقوق صوبائی باشندوں کے برابر ہو گئے۔اس طرح اب صوبائی امور کے علاوہ باقی ماندہ امور مرکزی حکومت کی تحویل میں آ گئے۔'' معاہدے سے قبل ریاست بہاولپور ماسوائے دفاع امورِ خارجہ اور رسل ورسائل کے جن کے بارے اس نے الحاق کیا تھا باقی سب امور میں خود مختار تھی اور مرکز کو اسکے داخلی امور میں کوئی ''عمل دخل'' نہیں تھا۔لیکن اس معاہدے کے بعد صورتحال بالکل بدل گئی۔اور مرکز کو ریاست بہاولپور کے داخلی معاملات میں زیادہ سے زیادہ عمل دخل حاصل ہو گیا۔اور جس طرح دیگر صوبجات میں گورنر مرکزی حکومت کا نمائندہ ہوتا ہے اس طرح امیر بہاولپور کو مرکز کے نمائندے کی حیثیت حاصل ہوگئی [۲۴]۔ریاست بہاولپور کو صوبائی درجہ دینے کا مطالبہ سب سے پہلے بہاولپور مسلم لیگ نے کیا تھا۔چنانچہ جب امیر بہاولپور اور گورنر جنرل پاکستان کے درمیان اس سلسلے میں متذکرہ معاہدہ طے پایا تو مسلم لیگ نے بہاولپور میں جشن مسرت منایا اور سرکاری وغیر سرکاری عمارات پر چراغاں کیا گیا۔اس معاہدہ کے بعد ریاست کی آئینی وقانونی حیثیت یکسر بدل گئی۔اب یہ ایک خود مختار ریاست نہیں بلکہ پاکستان کے دوسرے صوبوں کیطرح ایک صوبہ بن گیا جس میں مرکزی حکومت کے اختیارات وتصرف بھی قائم ہو گیا۔البتہ گورنر کے اختیارات بطور آئینی حکمران کے امیر آف بہاولپور کو حاصل ہو گئے گورنر کی بجائے ان کا نام امیر

آف بہاولپور رہا۔

اب بہاولپور کی سیاست کا تا بہ بانہ ملکی سیاست سے براہ راست جڑ گیا۔۱۹۵۲ء میں وزیر اعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین اور وزیر اعلیٰ سرحد خان عبدالقیوم خان بہاولپور کے دورے پر آئے۔ مسلم لیگ کونسل کا اجلاس منعقد ہوا جس میں کامل ذمہ دارانہ طرز حکومت کے مطالبے کو دہرایا گیا اور مخدوم زادہ حسن محمود پر مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے لیڈر کے طور پر اعتماد کا اظہار کیا گیا۔ کچھ مسلم لیگی اراکین نے مخدوم زادہ سے اختلاف کی وجہ سے باقاعدہ ایک حزب اختلاف کی شکل اختیار کر لی۔ میاں نظام الدین حیدر اسکے کنوینر منتخب ہو گئے۔اراکین میں سردار محمود خان میرزاہد حسین منشی علی محمد اور میاں عبدالسلام خاص طور پر قابل ذکر ہیں [۲۵]۔امیر آف بہاولپور نے یکم مارچ ۱۹۵۲ء کو گورنمنٹ آف بہاولپور عبوری دستور ایکٹ ۱۹۵۲ء نافذ کر دیا جسکے تحت صوبہ میں ذمہ دارانہ طرز حکومت نافذ کر دیا گیا اور اس میں کہا گیا کہ ریاست کی مجلس کے لئے بالغ رائے دہی کے اصول پر انتخابات عمل میں لائے جائیں گے اور ریاست ھذا میں نمائندہ ذمہ دار حکومت قائم ہو گی اور حکومت عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کے سامنے جوابدہ ہو گی [۲۶]۔مسلم لیگ کی طرف سے اس اعلان کا خیر مقدم کیا گیا ریاست میں انتخابات کے پیش نظر امیر آف بہاولپور نے ایک فرمان کے ذریعے بہاولپور مجلس توڑ دی لیکن ساتھ ہی یہ اعلان کیا کہ موجود وزارت بدستور کام کرتی رہے گی۔ نیز مجلس کے صدر بھی نئی مجلس کے قیام تک اپنے عہدے پر متمکن رہیں گے۔

انتخابی سرگرمیوں کے آغاز ہی سے مسلم لیگ کے علاوہ دوسری سیاسی جماعتیں بھی بہاولپور کی سیاست میں معرکہ زن ہو گئیں۔ جماعت اسلامی کے امیر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے بہاولپور کا انتخابی دورہ کیا۔ مسلم لیگ کے انتخابی جلسہ میں مولانا احمد سعید کاظمی اور مخدوم زادہ حسن محمود نے خطاب کیا۔حزب مخالف کا جلسہ بھی ہوا جس میں سردار محمود خان، علامہ ارشد اور نظام الدین حیدر نے تقاریر کیں۔ پاکستان مسلم لیگ نے زعمائے بہاولپور کے انتخابات میں

مسلم لیگ کے امیدواروں کی حمایت کا اعلان کیا۔ بہاولپور مسلم لیگ کے جن امیدواروں نے اسمبلی کے انتخابات کے لئے کاغذات نامزدگی داخل کیئے تھے ان میں ۱۴امیدوار بلا مقابلہ کامیاب قرار پائے۔ان میں مخدوم زادہ حسن محمود بھی شامل تھے۔مخالف امیدواروں کے زیادہ سے زیادہ کاغذات نامزدگی مسترد کردیئے گئے۔۲۳اپریل ۱۹۵۲ءکواپوزیشن کے کنوینر میاں نظام الدین حیدر نے پریس کانفرنس بلائی اور انتخابات کے بائیکاٹ کا اعلان کیا۔''عام انتخابات میں مخدوم پارٹی کی دھاندلیوں کے پیش نظر میں اپنے گروپ کی طرف سے انتخابات کے بائیکاٹ کا اعلان کرتا ہوں''[۲۷]۔ اس صورتحال کے پیش نظر امیر آف بہاولپور نے ۲۸اپریل ۱۹۵۲ءکو ایک حکم کے ذریعے اسمبلی کے انتخابات کالعدم قرار دینے دیا۔ نئے پروگرام کے مطابق ۲۱مئی ۱۹۵۲ءکو بہاولپور اسمبلی کے انتخابات ہوئے مسلم لیگ ۴۹حلقوں میں سے اپنے امیدوار نامزد کئے جبکہ حزب اختلاف نے ۲۴اور جماعت اسلامی نے ۵ اور کچھ آزاد امیدوار میدان میں آئے۔ بہاولپور مسلم لیگ کے انتخابی جلسوں سے مشتاق گرمانی اور سردار عبدالرب نشتر نے بھی خطاب کیا۔ان انتخابات میں عوام کا جوش وخروش خاصا تھا۔ ووٹنگ کی شرح ۳۱فیصد رہی۔ مسلم لیگ نے ۳۵نشستیں جیت لیں جبکہ جماعت اسلامی کے حصے میں دو اور حزب اختلاف نے گیارہ نشستیں جیتیں۔حزب مخالف کے لیڈر نظام الدین حیدر اپنی سیٹ ھار گئے۔ انتخابات میں حزب اختلاف نے دھاندلی کا الزام لگایا۔مسلم لیگ کو اسمبلی میں غالب اکثریت حاصل ہوگئی تھی اس لئے مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر مخدوم زادہ حسن محمود کو امیر بہاولپور نے حکومت بنانے کی دعوت دی۔ یوں مخدوم زادہ حسن محمود صوبہ بہاولپور کے پہلے وزیراعلیٰ بنے۔

انتخاب سے قبل بہاولپور مسلم لیگ سے الگ ہونیوالے اراکین نے جناح عوامی لیگ میں شمولیت اختیار کی تھی اور حسین شہید سہروردی کی قیادت کو تسلیم کرلیا تھا۔اسکے بعد جناح عوامی لیگ کی ایک با قاعدہ شاخ بہاولپور میں قائم کی گئی۔ حسین شہید سہروردی اور غلام محمد لوٹڈ خود نے بہاولپور کا دورہ کیا۔علامہ ارشد جو بہاولپور مسلم لیگ کی ورکنگ

کمیٹی کے رکن تھے لیکن مسلم لیگی قیادت سے اختلاف کے بعد جناح عوامی لیگ میں شمولیت اختیار کرلی تھی۔علامہ نے بہاولپور اسمبلی میں حزب اختلاف کا مؤثر کردار ادا کیا۔

بہاولپور میں ۱۳ فروری ۱۹۵۳ء کو حزب مخالف جماعتوں کا مشترکہ جلسہ منعقد کیا گیا جس میں جناح عوامی مسلم لیگ، جماعت اسلامی اور آزاد پاکستان پارٹی نے شرکت کی اور حکومت پر کڑی نکتہ چینی کی، انہوں نے مہاجرین کے مسائل حل کرنے کے لئے زور دیا۔دریں اثناء پنجاب میں تحرک ختم نبوت اور مرزائیت کے خلاف مظاہرے شدت اختیار کر گئے۔جس میں دولتانہ وزارت کو برطرف کردیا گیا[۲۸]۔کچھ ہی دنوں بعد خواجہ ناظم الدین کی مرکزی حکومت کو گورنر جنرل پاکستان غلام محمد نے برخاست کر کے محمد علی بوگرہ کو نیا وزیراعظم مقرر کردیا۔بہاولپور میں آل مسلم پارٹیز کنونشن نے حکومت کے خلاف جو تحریک شروع کی تھی اسکو حالات کی نزاکت کے پیش نظر ختم کردیا گیا،لیکن تحریک کے دوران بہاولپور کی حکومت نے اس سلسلہ میں جو بڑے پیمانے پر گرفتاریاں کی تھیں اس سے حکومت کے خلاف اور حزب مخالف جماعتوں کے حق میں فضا ہموار ہوئی۔چنانچہ اس سیاسی فضا سے فائدہ اٹھانے کے لئے ۳۰ جون ۱۹۵۴ء کو جناح عوامی لیگ نے عیدگاہ گراؤنڈ بہاولپور میں ایک جلسۂ عام کا اہتمام کیا جس میں مقامی مقررین کے علاوہ حسین شہید سہروردی اور آغا شورش کاشمری نے بھی خطاب کیا اور گورنر جنرل سے مطالبہ کیا کہ بہاولپور کے وزیراعلیٰ مخدوم زادہ سید حسن محمود کی وزارت کو برخاست کی جائے۔اس کے ساتھ انہوں نے مطالبہ کیا کہ صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات دوبارہ کرائے جائیں اور مرکزی دستور ساز اسمبلی کو بھی ختم کیا جائے[۲۹]۔بہاولپور میں جناح عوامی مسلم لیگ کا مخدوم زادہ حسن محمود کے خلاف ایک مؤثر حزب مخالف جماعت کے طور پر ابھر کر سامنے آئی۔اس میں میر زاہد حسین اور نظام الدین حیدر کے علاوہ علامہ ارشد جیسے سیاسی اکابرین شامل تھے۔حزب مخالف کے جلسے جلوسوں کے علاوہ پریس میں بھی مخدوم زادہ کے خلاف مہم عروج پر تھی اور قومی پریس میں مخدوم زادہ حسن محمود کے خلاف پیروڈا کے تحت کاروائی

کرنے کا مطالبہ کیا۔ جناح عوامی لیگ کے وفد نے وزیراعظم اور وزیر داخلہ پاکستان سے بھی اس سلسلہ میں ملاقات کی۔ پاکستان کے سیاسی منظر نامہ پر غیر معمولی سرگرمیاں جاری تھیں۔ محمد علی بوگرنے ایک نیا آئینی فارمولا مجلس دستور ساز میں پیش کرنے کے لئے مرتب کرلیا تھا جس پر پاکستان مسلم لیگ کی پارلیمانی پارٹی کا اتفاق رائے ہوگیا تھا۔ اس پر پاکستان کے تمام انتظامی یونٹوں کے سربراہوں کی حمایت درکار تھی اور حکومت ایسے وقت کوئی ایسا اقدام نہیں اٹھانا چاہتی تھی جسکی وجہ سے کسی ایک یونٹ کی ہمدردیوں سے محروم ہونے کا امکان ہو۔

محمد علی بوگرہ نے آئینی فارمولا مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی سے منظوری کے بعد دستور یہ میں پیش کردیا تھا۔ اس میں پاکستان کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ آبادی کے لحاظ سے اس کے پانچ یونٹ تجویز کئے گئے تھے۔ پہلا یونٹ مشرقی بنگال اور دوسرا پنجاب تیسرا شمال مغربی صوبہ سرحد، سرحدی ریاستیں وقبائلی علاقے، چوتھا یونٹ سندھ اور خیر پور اور پانچواں یونٹ بلوچستان، بلوچستانی ریاستیں، بہاولپور اور کراچی، نیز تجویز کیا گیا تھا کہ وفاقی مجلس ساز دو ایوانوں پر مشتمل ہوگی۔ ایوان بالا میں مجوزہ یونٹوں کو مساوی نمائندگی دی جائیگی اور ایوان زیریں میں آبادی کے لحاظ سے ہر یونٹ اپنے نمائندے بھیجے گا۔ دونوں ایوانوں کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ اعتماد اور عدم اعتماد کی قرار دادیں دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں پیش کی جائیں گی لیکن اس میں ہر حصہ کے ۳۰ فیصد اراکین کا شامل ہونا ضروری ہوگا۔ یہ سفارشات مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے تمام ممبران میں مشرقی بنگال، پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بہاولپور کے وزیراعلیٰ بھی شریک تھے متفقہ طور پر منظور کرلی تھی ۳۰۔ لیکن جونہی یہ سفارشات منظر عام پر آئیں تو مختلف یونٹوں کی جانب سے تحفظات کا اظہار کیا جانے لگا۔ خاص طور پر چھوٹے یونٹ جنہیں بڑے یونٹوں کے ساتھ شامل کردیا گیا تھا ان کی طرف سے اس آئینی فارمولا کی شدید مخالفت ہوئی۔ بہاولپور کے سیاسی حلقوں میں بھی اس پر شدید ردعمل سامنے آیا۔ بہاولپور کے سیاسی حلقوں کا موقف یہ تھا کہ بہاولپور پاکستان کا ایک جداگانہ یونٹ ہے اسے بلوچستان اور کراچی

کے ساتھ شامل کرنا قطعی غیر فطری اور ناانصافی پر مبنی ہے ۔تاہم متذکرہ آئینی فارمولے کے مطابق پانچویں یونٹ کی ہیت ترکیبی سے یہ بات وضح ہوگئی تھی کہ پاکستان کے نئے دستور میں ریاست بہاولپور کی انفرادیت کو ختم کر دیا جائیگا۔ مجلس دستور ساز میں ابھی اس آئینی فارمولے پر بحث جاری تھی کہ اسمبلی سے باہر سیاسی حلقوں کی طرف سے تنقید کا سلسلہ جاری ہوگیا ۔چنانچہ بہاولپور میں سب سے پہلے سٹی مسلم لیگ اپنے اجلاس منعقدہ ۱۰ نومبر ۱۹۵۴ء میں اس آئینی فارمولے کو مسترد کر دیا اور یہ مطالبہ کیا کہ ریاست بہاولپور کو اسکے آئینی و دستوری حقائق کے مطابق ایک پورے یونٹ کے طور پر نمائندگی دی جائے ۔اس بارے میں مختلف تجاویز سامنے آئیں مگر عموماً سیاسی جماعتیں خواہ وہ حزب اقتدار سے تعلق رکھتی تھیں یا حزب اختلاف سے بہاولپور کی جداگانہ حیثیت کو ختم کرنے کے حق میں نہ تھیں ۔بہاولپور جناح مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے یہ قرارداد منظور کی تھی کہ وہ عوام کی رائے معلوم کئے بغیر ریاست بہاولپور کو پاکستان کے کسی صوبہ میں مدغم کرنے کا فیصلہ نہ کیا جائے [۳۱] ۔مخدوم زادہ حسن محمود نے بہاولپور کو منفرد حیثیت برقرار رکھنے کے لئے اپنا کردار ادا کرنے کی بجائے مرکزی حکومت کا آلہ کار بن گئے ۔ریاست بہاولپور کے مستقبل کا مسئلہ سنگین صورت اختیار کرتا جارہا تھا۔اب تمام سیاسی جماعتوں نے بشمول حزب مخالف وحزب اقتدار پارٹی بہاولپور کے مستقبل کے بارے مشترکہ موقف اختیار کرنے کی خاطر میاں نظام الدین حیدر چوہدری فرزند علی، سردار محمود خان، چوہدری عبدالسلام اور مخدوم زادہ حسن محمود میں مذاکرات ہوئے اور اوغام کے مضمرات پر تشویش کا اظہار کیا گیا۔دریں اثناء ستمبر ۱۹۵۴ء کے اوائل میں تمام وزرائے اعلیٰ کو کراچی طلب کر لیا گیا تاکہ آئینی فارمولے پر اتفاق رائے حاصل کیا جا سکے ۔لیگ پارلیمانی پارٹی نے محمد علی بوگرہ فارمولا کو عملی جامعہ پہنانے کے لئے جو سب کمیٹی مقرر کی تھی اس میں دوسرے وزرائے اعلیٰ اور اراکین لیگ کے علاوہ مخدوم زادہ بھی شامل تھے [۳۲] ۔اس کمیٹی کی رپورٹ پر ۱۴ ستمبر کو مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے ایک اجلاس بصدارت وزیر اعظم پاکستان محمد علی بوگرہ غور کیا گیا۔اس کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق ''بلوچستان کو

دوسرے صوبوں کی طرح مکمل صوبے کا درجہ دیا جائے اور بہاولپور، خیر پور اور سرحدی ریاستوں کو برقرار رکھا جائے''[۳۳]۔البتہ اگر ان ریاستوں کی قانون ساز مجلس ادغام کا فیصلہ کریں تو ادغام کی اجازت دے دی جائیگی۔اس لئے یہ طے کیا گیا کہ ملک کے نئے آئین میں بہاولپور کو صوبہ کے برابر درجہ حاصل ہوگا۔البتہ گورنر امیر آف بہاولپور ہونگے۔ جونہی یہ خبر بہاولپور پہنچی تو مسرت وشادمانی کا اظہار کیا گیا۔۲۳ ستمبر کو یوم تشکر منانے کا فیصلہ کیا گیا۔لیکن پاکستان کی سیاسی فضا اسوقت مکدر ہوگئی جب دستور یہ کو گورنر جنرل نے ایک حکم کے ذریعے برخاست کر دیا اور سارے ملک میں ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا گیا[۳۴]۔دراصل پاکستان کے مجوزہ نئے دستور میں جو تجاویز منظور کی گئی تھیں یہاں کی مقتدر قوتیں یہ نہیں چاہتی تھیں اور نہ ہی وہ ریاستوں کو الگ صوبہ کے حق میں تھیں وہ نہں چاہتی تھیں کہ چھوٹے یونٹ قائم رہیں جو مشرقی بنگال کے ساتھ ملکر اقتدار میں شریک ہوں اور یوں پنجاب کی بالادستی میں فرق آئے۔اس کے ساتھ ہی بہاولپور کی اسمبلی اور وزارت بھی ختم کردی گئی تھیں۔اگرچہ یہ اعلان امیر آف بہاولپور نے کیا مگر عملاً یہ مرکزی حکومت کے اشارے پر ہوا۔جمہوریت کے خاتمے کے بعد مقتدر قوتوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ تمام صوبوں و ریاستوں کو ایک یونٹ میں سمو دیا اور جب بالواسطہ انتخابات کے بعد دوسری دستور یہ وجود میں آئی تو ون یونٹ بل منظور کرنیا گیا[۳۵]۔یوں ریاست بہاولپور کی بطور ایک الگ صوبہ کے منفرد حیثیت بھی ختم کر دی گئی۔اب یہ صوبہ مغربی پاکستان کا ایک ڈویژن بن گیا تھا۔

ایوب خان کے دور میں مخدوم زادہ سید حسن محمود ایبڈو کے تحت سیاست سے دستبردار ہو گئے[۳۶]۔ ۱۹۶۲ء کے تحت بننے والی صوبائی اسمبلی میں بہاولپور کے صوبہ کی بحالی سے متعلق یہاں کے ممبران اسمبلی نے آواز اٹھائی۔کونسل مسلم لیگ نے بھی اس مطالبہ کی حمایت کی مگر اب اس طرح کے بڑے فیصلے سیاست دانوں کی دسترس سے باہر تھے۔اس لئے بہاولپور اپنا الگ تشخص حاصل کرنے میں ناکام رہا۔جب یحیٰ خان کے مارشل لاء دور میں ون

یونٹ ختم کر کے صوبوں کو بحال کیا گیا تو بہاولپور کی الگ صوبہ کی حیثیت بحال نہ کی گئی بلکہ یہ پنجاب کا ایک ڈویژن ہی رہا۔ بہاولپور کے سیاسی اکابرین نے متحدہ محاذ کے نام سے صوبہ کی بحالی کے لئے جدوجہد کی جسے عوام کی پذیرائی بھی حاصل تھی مگر وہ اسے الگ صوبہ کے طور پر بحال کرنے مین ناکام رہے[۳۷]۔مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد جب ملک کا نیا آئین ۱۹۷۳ء بنایا گیا تو اس قصہ کو مستقبل طور پر ختم کر دیا گیا اور بہاولپور بدستور صوبہ پنجاب کا ایک حصہ رہا۔

حاصل کلام:

ریاست بہاولپور نے انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں کچھ سماجی ،رفائی و اصلاحی تحریکیں معرض وجود میں آئیں۔جن میں انجمن مویدالاسلام اور جمعیت المسلمین کے نام قابل ذکر ہیں۔ان کے علاوہ مسلم بورڈ ،خدام وطن اور اخوان الصفاء جیسی تنظیمیں بھی قائم کی گئیں جن کے شروع میں کم وبیش وہی مقاصد تھے جو کہ اول الذکر تنظیموں کے۔تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان تنظیموں نے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا اور اہل بہاولپور کو سیاسی پلیٹ فارم مہیا کیا۔ جمعیت المسلمین اور مسلم بورڈ نے مل کر ریاست بہاولپور کے پاکستان کے ساتھ الحاق میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ان دونوں تنظیموں نے ریاست بہاولپور میں آل بہاولپور اسٹیٹ مسلم لیگ قائم کی۔اگر چہ اس کے متوازی جماعت آل پاکستان اسٹیٹ مسلم لیگ بھی موجود تھی مگر مسلم لیگ کو عوام کی جڑوں میں مضبوط بنانے کے لئے جمعیت المسلمین اور مسلم بورڈ نے بھرپور کردار ادا کیا۔مخدوم زادہ حسن محمود کی بہاولپور مسلم لیگ میں شمولیت نے اس جماعت کو منظم و مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔اس جماعت کے علاوہ دوسری سیاسی جماعتیں مثلاً جماعت اسلامی ، خاکسار تحریک اور جناح عوامی مسلم لیگ بھی موجود تھی ۔ جنہوں نے حزب مخالف جماعتوں کا موثر انداز میں کردار ادا کیا۔ ریاست میں جمہوریت اور جمہوری اداروں کے ارتقاء میں ان جماعتوں کا کردار بھرپور رہا۔ ریاستی آئینی اصطلاحات کے ضمن میں اور ریاست کو الگ صوبہ برقرار رکھنے کی تگ ودو میں ان

جماعتوں کا مؤثر کردار موجود رہا ہے۔ البتہ ریاست کے طور پر اپنا الگ تشخص ختم کرنے کے بعد بہاولپور کا سیاسی مستقبل پاکستان کی سیاست کے ساتھ منسلک تھا۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کی تحلیلی کے بعد بہاولپور میں مجلس قانون وحکومت برخاست کردی گئی اور بعدازاں اس صوبے کو ون یونٹ بل کی منظوری کے بعد پہلے مغربی پاکستان اور پھر پنجاب کا ایک ڈویژن بنادیا گیا۔

حوالہ جات

۱۔ Sir William Lee Warmer , *The Native States of India*, 1910, p .4.

۲۔ دین محمد مولوی، *میونسپل گزٹ بصادق نمبر*، لاہور، ۱۹۳۰ء، ص ۱۴۔

۳۔ مسعود حسن شہاب، *بہاولپور کی سیاسی تاریخ*، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۶۷۔

۴۔ رجسٹر سیاسی *خطوط حکومت بہاولپور*، خط نمبر ۱۵۵۔سی محافظ ڈاکخانہ، بہاولپور، ۱۶ اگست، ۱۹۳۳ء۔

۵۔ مسعود حسن شہاب، بحوالہ سابقہ، ص ص ۳۷۔۶۷۔

۶۔ صادق الاخبار، *گزٹ پریس نوٹ وزارت عظمٰی*، ۱۱ جنوری ۱۹۳۶ء۔

۷۔ مسعود حسن شہاب، بحوالہ سابقہ، ص ۹۰۔

۸۔ بہاولپور، *گورنمنٹ گزٹ*، ۱۱ فروری ۱۹۳۷ء، ص ص ۱۔۲۔

۹۔ مسعود حسن شہاب، بحوالہ سابقہ، ص ۱۳۸۔

۱۰۔ حسن ریاض، *پاکستان ناگزیر تھا*، ۱۹۶۷ء، کراچی۔

۱۱۔ مسعود حسن شہاب، بحوالہ سابقہ، ص ۱۳۹۔

۱۲۔ ہفت روزہ کائنات، بہاولپور، مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء۔

۱۳۔ *نوائے مسلم*، ۳۰ جون ۱۹۴۷ء۔

۱۴۔ بہاولپور گزیٹر، بحوالہ سابقہ۔

۱۵۔ مسعود حسن شہاب، بحوالہ سابقہ، ص ۱۶۱۔

۱۶۔ *ایضاً*، ص ۱۶۲۔

۱۷۔ ایضاً،ص۱۶۶۔

۱۸۔ قواعد وضوابط انتخابات، پاکستان مسلم لیگ بہاولپور۔

۱۹۔ مسعود حسن شہاب، بحوالہ سابقہ،ص۱۶۳۔

۲۰۔ مخدوم زادہ حسن محمود،دی ہسٹری آف بہاولپور، ت۔ن۔

۲۱۔ مسعود حسن شہاب، بحوالہ سابقہ،ص۲۱۵۔

۲۲۔ ایضاً،ص۲۲۷۔

۲۳۔ ایضاً،ص۲۴۷۔

۲۴۔ بہاولپور گزیٹیر، بحوالہ سابقہ،

۲۵۔ مسعود حسن شہاب، بحوالہ سابقہ،ص۳۰۶۔

۲۶۔ ایکٹ دستور عبوری حکومت بہاولپور۱۹۵۲ء۔

۲۷۔ ہفت روزہ،کائنات،۲۴اپریل۱۹۵۲ء۔

۲۸۔ Allen McGrath, *The Destruction of Pakistan's Democracy*, New York, 1996.

۲۹۔ مسعود حسن شہاب، بحوالہ سابقہ،ص۳۱۲۔

۳۰۔ Allen McGrath، بحوالہ سابقہ۔

۳۱۔ مسعود حسن شہاب، بحوالہ سابقہ،ص۳۲۶۔

۳۲۔ ایضاً، ص۳۳۶۔

۳۳۔ ایضاً۔

۳۴۔ Allen McGrath، بحوالہ سابقہ۔

۳۵۔ Khalid B. Saeed, *The Political System of Pakistan*, Honghton Mittlin Co., Boston, 1967.

۳۶۔ Lawrence Ziring, *Pakistan: The Enigma of Political Development*, Dawson, Westview, Kent, n.d.

۳۷۔ دیکھئے محمد اکبر ملک بہاولپور صوبہ کی بحالی کی تحریک، پی ایچ ڈی مقالہ،شعبہ تاریخ ومطالعہ پاکستان، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور۔